اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کا حقیقی مفہوم

حضرت مریم، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

انعام یافتہ خدا کے پاک بندوں کی وہ دعائیں جو قرآن کریم میں محفوظ ہیں ان کے ذکر میں کچھ ایسی دعائیں نظر سے رہ گئی تھیں جو اس سے پہلے گزر چکی ہیں جہاں تک میں پہنچا ہوں، اور اب جب دوبارہ تحقیق کرائی گئی کہ کہیں کوئی ایسی دعا نظر سے رہ تو نہیں گئی تو چند دعائیں سامنے آئی ہیں اس لئے اب میں وہ دعائیں پہلے آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کے بعد جہاں سلسلہ مضمون چھوڑا تھا وہاں سے شروع کروں گا۔

سب سے پہلی دعا جو روزمرہ عام طور پر مسلمانوں کے استعمال میں رہتی ہے خواہ وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۷) ہے غالباً یہ اس لئے نظر سے رہ گئی تھی کہ اس میں بظاہر دعا کا رنگ نہیں ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ مگر جو موقعہ ہے جہاں یہ استعمال ہوتی ہے وہ نقصان کا موقعہ ہے اور اس دعا کے نتیجہ میں بسا اوقات انسان کی گمشدہ چیزیں مل جاتی ہیں اور بہت سے نقصان

پورے ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ دعا نقصانات کے ذکر ہی میں بیان فرمائی اور فرمایا کہ میرے مومن بندے ایسے ہیں جب ان کو کئی قسم کے مالی، جانی، پھلوں وغیرہ کے نقصانات پہنچتے ہیں۔ مصیبتوں میں وہ آزمائے جاتے ہیں تو ان کا یہ قول ہوتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی مؤثر دعا ہے۔ میں نے ایک دفعہ خطبہ میں اس کا ذکر بھی کیا تھا کہ بعض بچوں پر میں نے اس کو آزما کر دیکھا اور انہوں نے جب توجہ سے بہت چھوٹی عمر میں بطور دعا اس کو پڑھنا شروع کیا تو بسا اوقات ان کی گمشدہ چیزیں حیرت انگیز طور پر ملتی تھیں اور ان تجارب کا بہت گہرا نقش ان کے دل و دماغ پر جم گیا اور ہمیشہ کے لئے ان کی دعا کی طرف توجہ ہوگئی۔ لیکن یہ ایک ایسی دعا ہے جس میں کوئی چیز ملے یا نہ ملے دعا اپنی ظاہری صورت میں مقبول ہو یا نہ ہو دعا وہ فائدہ پہنچا جاتی ہے جو نقصان کو پورا کرنے والا فائدہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس میں توجہ یہ دلائی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے کھویا ہے درحقیقت یہ ہمارا نہیں تھا تقدیر کا تھا۔ ہر چیز جو کائنات میں پیدا ہوئی ہے وہ خدا ہی نے پیدا فرمائی ہے۔ اصل میں ملکیت اس کی ہے یہاں تک کہ ہم بھی تو اس کے ہیں۔ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اور ہم نے بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پس تھوڑی سی چیز کے گم جانے کا کیا غم کرنا۔ اس عارضی نقصان پر رونے دھونے کا کیا فائدہ۔ ہم بھی تو ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے۔ یہ دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور یہ غم بھی عارضی ہے کیونکہ بالآخر ہر چیز خدا ہی کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہم اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔

یہ دعا بہت ہی گہری ہے اور دعا کا رنگ اس میں اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خدا مالک ہے اور چونکہ وہ مالک ہے اس لئے ہر چیز بالآخر اس کی طرف لوٹے گی۔ تو ایک قسم کی خاموش دعا کا رنگ یہ بنتا ہے کہ اے خدا! تو نے ہمیں عارضی ملکیت دی تھی تو جو مستقل مالک ہے۔ سب چیزیں تیری طرف لوٹتی ہیں۔ تو ہماری عارضی ملکیت بھی ہماری طرف لوٹا دے۔ یہ ایک خاموش دعا کا وہ رنگ ہے جو اس مضمون میں داخل ہے۔ چنانچہ اگر آپ اس کو سمجھ کر اور غور سے اور عاجزی سے یہ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بسا اوقات اس دعا کے نتیجہ میں حیرت انگیز طور پر نہ صرف نقصان پورے ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بہت بڑھ کر عطا کیا جاتا ہے۔ وہ جماعت کے مخلصین جنہوں نے مختلف

ابتلاؤں میں بسا اوقات اپنا سب کچھ کھو دیا۔ جو کچھ تھا ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ گھر لوٹ لئے گئے۔ دکانیں جلادی گئیں اور جو کچھ سرمایہ تھا وہ لوگ جنہوں نے قرضے دینے تھے لے بھاگے۔ تجارتوں میں اکثر ایسے قرضے ہوتے ہیں جن کے آنے جانے کے ساتھ تجارت چلتی ہے اور انہوں نے صبر کا نمونہ دکھایا اور یہی کہا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اور اس کے نتیجہ میں ایک ایک کی جگہ دس دس دکانیں بنیں۔ جہاں چند دکانیں احمدیوں کی جلائی گئی تھیں، وہاں بازار احمدیوں کے ہو گئے۔ ایک مکان تھا تو پھر مختلف بچوں کے لئے الگ الگ مکان بنانے کی توفیق ملی۔

پس یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کے پیچھے جماعت احمدیہ کی سو سالہ تاریخ آج کے زمانہ میں گواہ کھڑی ہے اور اس سے پہلے امت محمدیہؐ کی تمام تاریخ مختلف ممالک میں اس بات پر گواہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی مؤثر دعا ہے۔ پھر عجز سکھاتی ہے اور بظاہر کچھ بھی نہ ملے تو ایک عظیم الشان چیز ملنے کی بشارت دیتی ہے۔ وہ لوگ جو عجز کے ساتھ دنیا سے تعلق رکھنے کی بجائے خدا سے تعلق رکھتے ہیں دنیا سے راضی ہونے کی بجائے خدا سے راضی رہتے ہیں ان کے لئے اس میں یہ خوشخبری ہے کہ تم خدا کی کھوئی ہوئی چیز خدا کو مل جاؤ گے۔ سب سے بڑی دولت جو دنیا میں ممکن ہے اور سوچی جاسکتی ہے یا دنیا میں کیا دنیا مافیہا اور آخرت، ہر لحاظ سے انسان کے ادراک میں جو چیز سب سے زیادہ قیمتی آسکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تو فرمایا تم تھوڑا سا کھونے کے نتیجہ میں کیوں غم کر رہے ہو۔ تم اپنے رب کو پالو گے۔ اور یہ جو مضمون ہے اس میں مومنوں کے لئے خصوصیت سے اس لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اگر چہ ہر چیز لوٹے گی لیکن قرآن کریم فرق کر کے دکھاتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے بندے ہیں جن کی روح خدا کی طرف ہمیشہ لوٹتی رہتی ہے، جن کا تصور خدا کی طرف لوٹنا رہتا ہے اصل رجوع ان کا ہوگا اور جو دنیا کے بندے ہیں۔ وہ خدا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ یہ مضمون قرآن کریم کی ایک الگ آیت میں واضح طور پر بیان فرما دیا گیا۔ بظاہر ان دو باتوں میں تضاد ہے بظاہر ایک آیت یہ کہتی ہے کہ ہر چیز کائنات کی بالآخر خدا کی طرف لوٹائی جائے گی اور قرآن کریم کی بعض دوسری جگہوں پر اس مضمون کو کھول کر بیان فرماتا ہے کہ بالآخر ساری کائنات کی صف لپیٹ دی جائے گی اور کچھ بھی نہیں رہے گا۔ جو کچھ تھا وہ پھر عدم ہو جائے گا صرف خدا کی ذات باقی رہے گی۔ تو زندگی ہو یا بے جان چیزیں، ہر چیز اس کی طرف لوٹنے والی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ خدا کے وہ بندے جو متکبر ہیں، جو دنیا میں کھوئے جاتے ہیں ان کا رجوع نہیں ہوگا ۔وہ خدا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ۔ان دو باتوں میں تضاد نہیں ہے۔معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کو پائیں گے نہیں۔اندھے لوٹائے جائیں گے،لوٹیں گے مگر دیکھیں گے کچھ نہیں۔ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا پس یہاں ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو کچھ کھوتے ہیں اور صبر کرتے ہیں اور دل کو تسلی دیتے ہیں کہ سب کچھ خدا کا تھا۔اس کی طرف چلا گیا تو کیا ہے ہم نے بھی تو اسی کی طرف جانا ہے ان کے لئے خوشخبری یہ بن جاتی ہے کہ تم نے کچھ کھویا ہے **اس سے بہت زیادہ پالو گے اور مخلوق کھوئی ہے تو خالق کو پالو گے** اس لئے اس دعا کی گہرائی میں اتر کر اس کے سارے پہلوؤں پر غور کر کے خود بھی اس دعا سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی شروع ہی سے یہ دعا سکھانی چاہئے۔یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۷ ہے۔

اس کے بعد ایک دعا آل عمران کی رہ گئی تھی۔یہ آیات ۳۶ تا ۳۸ ہیں۔اس میں یہ ذکر ہے کہ

اِذْقَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (آل عمران:۳۶) کہ یاد کرو وہ وقت جبکہ آل عمران کی ایک عورت نے اپنے رب سے یہ التجا کی کہ اے میرے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اسے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کر دیا۔پس تو میری طرف سے جس طرح ہو اسے قبول فرما لے۔یقیناً تو ہی بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

یہ دعا وہ دعا ہے جس کی روشنی میں میں نے وقف نو کی تحریک کی تھی اور یہ تحریک کی تھی کہ عورتیں جو امید رکھتی ہیں یا آئندہ توقع رکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی گود بھرے گا۔وہ بچے کی پیدائش سے پہلے اسے وقف کریں۔میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ عام طور پر اس سے پہلے جتنی وقف کی تحریکیں ہوئی ہیں ان میں عورتوں کے وقف کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی اور یہ ہماری خواتین پر بہت زیادتی ہے کہ ان کے لئے وقف کا کوئی نظام ہی نہ ہو گویا یہ نعمت صرف مردوں ہی کے لئے رہ گئی ہے۔پس اس آیت سے مجھے یہ روشنی ملی کہ اگر مائیں یہ عہد کریں کہ میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اے خدا! میں تیرے حضور پیش کرتی ہوں۔پھر جو لڑکی ہوگی وہ بھی وقف ہوگی اور بعض دفعہ ایسی وقف لڑکی ،لڑکوں سے بہت بہتر اور مقدر والی ثابت ہوتی ہے۔جیسا کہ حضرت مریم کے معاملہ میں ہوا جو آل

عمران کی اس دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں: اِذْقَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اے میرے خدا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، میں نے تیرے حضور پیش کر دیا۔ مُحَرَّرًا آزاد کرتے ہوئے۔ یہاں لفظ مُحَرَّرًا بہت قابل غور ہے اور جو یہ دعا کرتے ہیں ان کو اس کا مضمون پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب ہم زندگی وقف کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آزادی سے قید کی طرف جا رہے ہیں۔ اپنی ساری آزادیاں کھو دیں اور ہمیشہ کے لئے وقف کی زنجیروں میں باندھے گئے اور بہت سے واقفین بچے ہیں جن کو ان کے والدین یہی بتاتے ہیں کہ دیکھو سوچ سمجھ کر وقف کرو۔ عمر بھر کی قید ہے تمہارا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اپنی مرضی قربان ہو جائے گی۔ کوئی اپنا وطن نہیں رہے گا جماعت جہاں چاہے گی تمہیں اٹھا کر بھیج دے گی اور پھر جتنی دیر چاہے گی وہاں رکھے گی۔ جس حال میں چاہے گی وہاں رکھے گی۔ **تو بہت ہی مشکل زندگی ہوگی۔ یعنی دنیا کے لحاظ سے معمولی گزارا تو اور بات ہے لیکن اپنی مرضی کی ایسی قربانی کہ اپنی مرضی نہ رہے یہ ایک زبردست قربانی ہے۔** اس کے برعکس قرآن کریم وقف زندگی کو ایک بالکل اور رنگ میں پیش فرماتا ہے۔ فرماتا ہے اس صاحب حکمت عورت نے یہ دعا کی کہ اے میرے خدا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ میں تیرے حضور پیش کر کے اس کو آزاد کرتی ہوں۔ آزاد کس سے؟ دنیا کے جھنجٹوں سے شیطان کی غلامی سے ہر اس چیز سے جو غیر اللہ ہے۔ جو غیر اللہ کی طرف سے آتی ہے اس سے میں اسے آزاد کرتی ہوں۔ یعنی آزادی کی ایک نئی تعریف فرما دی گئی۔ یہ بتایا گیا کہ حقیقی آزادی وقف میں ہے جو خالصۃً خدا کی خاطر ہوا کرتا ہے اور جو خدا کا غلام ہو جائے وہ ہر غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا جاتا ہے اور یہ وہ تجربہ ہے جو حقیقی واقفین کو ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور جو وقف کی روح کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک اللہ کی غلامی قبول کر کے ہزار غلامیوں سے نجات پالی ہے۔ پس یہ بھی ایک رنگ سمجھانے کا ہے۔ اس دعا کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنے واقف بچوں کی تربیت کرنی چاہئے اور اس رنگ میں جب تربیت کریں گے تو کوئی شخص اپنی وقف زندگی کو بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔ اس میں کسی پابندی پر تلخی محسوس نہیں کرے گا۔ بلکہ حقیقی آزادی یہی سمجھے گا کہ خدا کے سوا ہر دوسری چیز سے ہر دوسری قید سے وہ آزاد ہو چکا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اے خدا! تو بہت ہی سننے والا اور بہت ہی جاننے والا ہے۔ اب

دیکھیں کتنی پر حکمت دعا ہے۔ کتنی گہری دعا ہے اور ایک عورت کو سمجھائی گئی جو نبی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی قدر فرمائی کہ قرآن کریم میں اس دعا کو ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا اور واقفین کے لئے اس دعا کو ایک ماڈل بنا کر پیش فرمایا۔ پس وقف نو کے سب بچے اسی دعا کی حکمت کا فیض ہیں جو میرے دل میں ڈالی گئی اور اسی کے نتیجہ میں یہ وقف نو کی تحریک ہوئی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ کہہ تو یہ بیٹھی تھیں کہ جو کچھ ہے تیرے حضور ہے اور دماغ میں یہ تھا کہ لڑکا ہوگا۔ یہ بھی خدا کے عجیب رنگ ہیں۔ قرآن کریم میں جب آپ یہ دعائیں پڑھتے ہیں اور ان کی قبولیت کا حال دیکھتے ہیں تو بہت ہی لطیف مذاق خدا کی طرف سے چلتا ہے۔ ایک بہت ہی گہرا رابطہ ہے دعا میں اور قبولیت میں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا جب تو نے یہ کہا کہ جو کچھ ہے تو پھر میری مرضی جو کچھ پیدا کروں۔ ضروری نہیں کہ بیٹا ہی ہو چنانچہ جب بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے کہا رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ میری تو بیٹی پیدا ہوگئی وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ حالانکہ خدا زیادہ جانتا ہے کہ اس نے کیا پیدا کیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کو بتا رہی تھی کہ بیٹی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے۔ یہ تو عام سادہ معنی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ گہرے معنی یہ ہیں کہ اس کو کیا خبر تھی کہ جو بیٹی پیدا کر رہی ہے وہ بیٹوں سے بہت افضل ہوگی۔ وہ تو ظاہر کو دیکھ رہی ہے وہ بیٹوں سے بہت افضل ہوگی لیکن میں نے اس کی آزمائش بھی کر لی اور اس کی دعا کو اعلیٰ رنگ میں قبول کیا ہے۔ پس خدا کے لطائف میں کوئی انسانی لطائف کا رنگ نہیں ہوتا کہ جس کے نتیجہ میں دوسرے کو تکلیف پہنچے اور بھونڈا مذاق ہو۔ خدا کے مذاق میں بھی ایک نعمت چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبولیت کے بہت ہی لطیف رنگ ہیں۔ کس رنگ میں وہ قبول کرتا ہے۔ بظاہر دعا کے نقائص کی طرف انسان کو متوجہ بھی کر دیتا ہے اور پھر پردہ پوشی بھی فرما دیتا ہے۔ بہر حال فرمایا وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ مرد جو بھی ہو وہ اس عورت جیسا نہیں ہوسکتا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ عام بچوں کی کیا بات ہے۔ عام لڑکوں کا کیا ذکر وہ اس لڑکی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ ایک بہت ہی عظیم الشان لڑکی ہے۔ دوسرا فرمایا وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ اس الْأُنْثَىٰ جیسا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کوئی لڑکا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے اندر وہ صفات بھی رکھ دی گئی ہیں جن کے نتیجہ میں عورت مرد کی محتاج ہوتی ہے اور بچہ پیدا کرتی ہے اور پیدائش کی صفات بھی رکھ دی گئی ہیں یہ اکیلی کافی ہے اس کو کسی مرد کی ضرورت نہیں۔ تو اس لحاظ سے عورتوں میں تو افضل تھی

ہی، مردوں پر بھی سبقت لے گئی۔ پس قرآن کریم کی دعاؤں پر جب آپ غور کیا کریں تو اس کے پس منظر کو غور سے پڑھا کریں۔ بعد میں آنے والے مضمون کو غور سے دیکھا کریں تو آپ کی دعاؤں میں وسعت پیدا ہوگی، آپ دعاؤں میں گہرائی پیدا ہوگی۔ الفاظ وہی ہوں گے لیکن ان کے معانی پھیلتے چلے جائیں گے اور ایک دفعہ کا مضمون کافی نہیں ہوگا بلکہ جتنا آپ غور کریں گے یہ میرا تجربہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو اور مضامین انہی دعاؤں میں ملتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرمالیا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ بہت حسین قبولیت تھی۔ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اس کی پرورش کی اور اس کو بڑھایا بہت ہی خوبصورت اور حسین رنگ میں۔ پس واقفین نو پیش کرنے والوں کے لئے یہ نمونہ ہے کہ وہ بھی اپنے واقفین نو بچوں کی اس رنگ میں تربیت کریں۔ کہ عام بچوں سے مختلف دکھائی دیں۔ بہت ہی حسین اور دلکش انداز میں ان کو پالا پوسا جائے اور پروان چڑھایا جائے لیکن دعا کے نتیجہ میں یہ توفیق مل سکتی ہے۔

ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانیوالے ساحروں کی دعا ہے جو رہ گئی تھی۔ یہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۷ ہے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا فرما وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا۔ پہلے یہ مضمون دوسرے رنگ میں گزر چکا ہے مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ فرعون کو مخاطب ہو کر چیلنج دے بیٹھے تھے کہ جو عذاب تو دے سکتا ہے ہم کو دے۔ جو ہم سے کرنا چاہتا ہے کر گزر لیکن ہم کسی قیمت پر بھی مرتد نہیں ہوں گے اور جو ایمان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے بہر حالت میں چمٹے رہیں گے۔ یہ ان کا چیلنج تھا فرعون کو لیکن معاً ان کا ذہن اس طرف گیا کہ یہ خدا کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ خواہش ہے، ارادے ہیں لیکن انسان کمزور ہے اس لئے اس معاملہ میں لازماً ہمیں خدا سے طاقت مانگنی چاہئے پس ہر وہ مومن جو نیک ارادے باندھتا ہے اور وقتی طور پر خلوص سے باندھتا ہے، جانتا ہے کہ وہ تقویٰ کے ساتھ یہ فیصلے کر رہا ہے اس کے لئے بھی نصیحت ہے کہ دعا سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے ورنہ نیک باتوں کے نیک ارادے جو خلوص کے ساتھ بھی کئے گئے ہوں ضروری نہیں کہ انسان کو ان کے پورا کرنے کی توفیق

مل سکے۔ پس آخری بات یہ کہہ دی کہ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ہمیں بلانا اسی وقت جبکہ ہم تیری نظر میں فرمانبردار ہوں۔

ایک حضرت موسیٰؑ کی مشہور دعا جو دیدار الٰہی کے لئے انہوں نے کی تھی، حالانکہ دیدار تو روز ہوتا تھا۔ کچھ اور معنوں میں وہ دیدار چاہتے تھے یہ سورۃ الاعراف ۱۴۴ ہے:۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور جب وقت مقررہ اور مقررہ جگہ پر موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور خدا نے ان سے کلام کیا قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے خدا ایسا کر کہ میں تجھے دیکھوں اور بہت ہی خوبصورت محاورہ ہے۔ اَرِنِيْٓ کا مطلب ہے مجھے دکھا۔ اَنْظُرْ کہ میں دیکھوں۔ تو عام بول چال میں ہم یہ کہہ سکیں گے اے اللہ مجھے دکھا تو سہی کہ تو کیسا ہے تا کہ میں تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ تو لوں۔ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ اے موسیٰ تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ہاں تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا پس پھر ممکن ہے تو بھی مجھے دیکھ سکے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ پس جب خدا تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی جَعَلَهٗ دَكًّا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰؑ غش کھا کر پچھاڑ کھا کر جا پڑے۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ پس جب آپ کو ہوش آئی تو کہا سُبْحٰنَكَ اے رب تو ہر کمزوری سے پاک ہے۔ تُبْتُ اِلَيْكَ یعنی ایک دعا سے بات شروع ہوئی تھی دعا پر ختم ہو رہی تھی اس لئے پوری آیت پڑھنی پڑی ہے آپ کو بتانے کے لئے کہ بیچ کا مضمون کیا تھا اور آخر پر پھر ایک دعا ہے تُبْتُ اِلَيْكَ میں توبہ کرتا ہوں تیری طرف وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور میں پہلا مومن ہوں۔ اس آیت کے ساتھ ایک روایت وابستہ ہے جس نے بعض اشکال بھی پیدا کئے ہیں اور کافی اس پر مفسرین نے اور احادیث کے ماہرین نے بحثیں کی ہیں۔ روایت یہ ہے کہ قیامت کے دن جب حشر نشر ہوگا اور جب خدا تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو سب بے ہوش ہو کر جا پڑیں گے اس وقت سوال یہ ہے کہ پہلے کس کو ہوش آئے گی۔ ایک حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور جب آنحضرت ﷺ دیکھیں گے موسیٰ

پہلے ہی ہوش میں کھڑے ہوں گے (حوالہ۔۔۔۔) اس کی توجیہہ اس حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ موسیٰ کو اس سے پہلے اس کا تجربہ ہو چکا ہے وہ تجلی جس کے نتیجہ میں آناً فاناً انسان ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اس کا جلوہ اتنا سخت ہے کہ طبیعتیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس دنیا میں موسیٰ نے مانگ لی تھی اور اس کا تھوڑا سا نمونہ موسیٰ دیکھ چکا ہے۔ پس چونکہ اس میدان کا کھلاڑی رہ چکا ہے اس راہ سے گزر چکا ہے اس لئے جب واقعۃً قیامت کے دن یہ تجلی ہوگی تو نسبتاً جلدی افاقہ ہوگا۔ یہ حدیث اس آیت کی روشنی میں اور دوسری متعلقہ آیت کی روشنی میں جس کا میں نے ذکر کیا ہے قابل غور ہے لیکن عموماً آپ کو مفسرین اور ماہرین حدیث کی کتب میں یہی تشریح ملے گی۔ بہر حال یہ جو دعا ہے اس میں ہے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ لفظ اول ہے اس سے مراد وقت کے لحاظ سے اول نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے اول آچکے ہیں اور آنحضرت ﷺ معنوی لحاظ سے مومنوں میں سے سب سے اول ہیں پس اول اور آخر یہ دونوں لفظ جو ہمیں قرآن کریم یا احادیث میں ملتے ہیں یہ مرتبے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ ظاہری وقت کے لحاظ سے۔ اول جب کہا جاتا ہے تو مراد ہے نمبر میں پہلا ہے۔ جس طرح کوئی امتحان میں فرسٹ آتا ہے اسے اول کہتے ہیں ویسا ہی مضمون ہے۔

ایک دعا قوم میں بچھڑے کو معبود بنانے والوں میں سے ان لوگوں نے کی جو شرمندہ ہوئے تھے اور انہوں نے توبہ کی تھی۔ وہ دعا یہ تھی وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف:۱۵۰)۔ کہ جب وہ شرمندہ ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے تب انہوں نے یہ دعا کی لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے گا اور ہماری بخشش نہ فرمائے گا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یقیناً ہم بہت گھاٹا پانے والوں میں سے ہوں گے۔

پس دیکھیں ہر موقعے کے لئے، ہر ایسی صورتحال کے لئے جس سے انسان دوچار ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کوئی نہ کوئی اس پر اطلاق پانے والی دعا ہمیں سکھا دی ہے اور اس لحاظ سے بھی اگر آپ قرآن کریم کی دعاؤں کو ازبر کریں یا پوری یاد نہیں کر سکتے تو کچھ حصہ کبھی کبھی یاد کرتے رہا کریں اور قرآنی دعاؤں کو ہر مشکل کے وقت دیکھ لیا کریں۔ آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی دعا اپنی صورتحال پر اطلاق پاتی ہوئی ایسی ملے گی جس کو جس طرح وہ دعا کی گئی تھی اسی جذبہ کے ساتھ آپ

جب دعا کریں گے تو انشاء اللہ قبولیت دعا کے عظیم الشان نظارے دیکھیں گے۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اتنی دعائیں خدا تعالیٰ نے خود سکھائی ہیں کہ اور کسی نبی کے ذکر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعائیں اس کثرت سے نہیں ملتیں۔ایک موقعہ پر فرمایا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۪ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) اے میرے بندے تو جب وحی نازل ہوا کرے تو جلدی جلدی اسے دہرانے کی کوشش نہ کیا کر کہ کہیں بھول نہ جائے۔ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اور یہ کہا کہ اے میرے رب میرا علم بڑھاتا چلا جا۔

اس سے آنحضرت ﷺ کی معصومیت کا بھی پتہ چلتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام کو کس طرح دیکھتے تھے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔وحی نازل کرنا بھی خدا کا کام ہے اور وحی کو محفوظ کرنا بھی خدا کا کام ہے۔مگر جس کو کسی چیز سے بے انتہاء محبت ہو اور اسے وہ سنبھالنا چاہے۔اسے یقین بھی ہو کہ یہ چیز سنبھل جائے گی تب بھی وہ اپنی طرف سے بہت کوشش کرتا ہے اور جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مار کر اسے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔پس یہ وہ نقشہ ہے جو آنحضرت ﷺ کا کھینچا گیا۔جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی آپ تیزی کے ساتھ زبان چلاتے تھے اور اس وحی کو دہراتے چلے جاتے تھے تا کہ کوئی بھی لفظ کوئی نقطہ بھی ادھر سے ادھر نہ ہو۔تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فرمایا کہ تجھے یہ محنت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ہاں اس عرصہ میں تو یہ دعا کیا کر وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اے میرے اللہ میرا علم بڑھا۔اب یہ جو دعا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو نظام حفظ تھا، وہ عام نظام حفظ جیسا نہیں تھا بلکہ جہاں تک وحی کا تعلق ہے ہوسکتا ہے باقی انبیاء کو بھی یہی امتیاز حاصل ہو کہ وحی اس رنگ میں نازل ہوتی ہے کہ وہ ازخود ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور اسے توجہ سے سن کر یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دعا وہ سکھائی گئی ہے جو بالکل اور ہے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔آپ کسی کی بات سن رہے ہوں اور کوئی اور بات منہ سے کر رہے ہوں۔تو جو آپ سن رہے ہیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ اسے یاد کر سکتے ہیں۔تو وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا سکھایا جانا کہ یہ دعا کیا کر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی ذہنی کوشش کا وحی کو محفوظ کرنے سے کوئی علاقہ نہیں تھا وہ ازخود اترتی تھی اور نقش بن کر، دائمی نقش بن کر جمتی چلی جاتی تھی اور توجہ اس طرف

دیتے یا نہ دیتے خدا کی تقدیر نے اس کو بہر حال محفوظ کرنا تھا۔ پس فرمایا کہ فارغ وقت میں یہ کیا کر کہ مجھ سے اور دعائیں مانگا کر اور یہ کہا کر کہ اور بھی علم نازل فرما۔ اور جو علم ہے بجائے اس کے کہ میں اسے کھودوں میرا علم بڑھا دے کیونکہ جو بات بھول جائے وہ حاصل کیا ہوا علم انسان کھو دیتا ہے۔ تو زدنی علماً میں یہ بتایا کہ تیرے علم کو کھونے کا تو سوال ہی کوئی نہیں ہم جو ذمہ دار ہو گئے ہیں۔ ہاں تو مزید مانگا کر۔

اس دعا کے ضمن میں ایک اور دعا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً سکھائی گئی وہ بھی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْ حَقَآئِقَ الْاَشْیَاءِ (تذکرہ صفحہ:۶۱۳) اے میرے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقتیں بتا۔ یعنی ان کے اندر جو گہرے راز ہیں وہ سمجھا۔ میں بالعموم قرآن کریم کی اس دعا کے ساتھ اس دعا کو ملا کر کرتا ہوں اور خصوصاً اس وقت جبکہ کسی قسم کی رہنمائی کی خاص ضرورت ہو اور میرا تجربہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بہت سے ایسے مطالب پر آگاہی فرماتا ہے جس کی طرف انسان کا اپنا ذہن اپنی کوشش سے جا نہیں سکتا۔ الہام تو نہیں ہوتا لیکن اس طرح خدا تعالیٰ نکتے اچانک دماغ میں ڈال دیتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ پس جماعت کو بھی اس قرآنی دعا سے استفادہ کرنا چاہئے اور ہمارے طالب علموں کو خاص طور پر اس دعا کو جو چھوٹی سی دعا ہے، ایک چھوٹا سا فقرہ ہے وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اس کو پڑھتے رہنا چاہئے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول ہوتی رہنی چاہئے کہ اصل علم کلام الٰہی ہے۔ دوسرا دنیا کا جو علم ہے وہ ثانوی علم ہے۔ یہاں قرآن کریم کی وحی سے متعلق علم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ طالب علم جب یہ دعا مانگیں قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا تو یہ نہ کیا کریں کہ اعلیٰ مضمون کو چھوڑ دیا کریں اور ادنیٰ مضمون کو ذہن میں رکھ کر دعا کیا کریں۔ دعا یہ کیا کریں کہ اے خدا ہم دنیا کے عارضی علوم کی طرف متوجہ ہیں۔ یہ مجبوریاں ہیں۔ ہمیں وہ علم بھی عطا فرما جو تو نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور اس کے صدقہ میں ہمیں یہ دنیاوی علم بھی عطا فرما دے جو اس کی ذیل میں آتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۪ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۵﴾ (طٰہٰ:۱۱۵)

اس کے ساتھ ساتھ میں نے وہ جگہیں بھی درج کروالی ہیں جہاں ان کو اپنی ترتیب کے لحاظ

سے بیٹھنا چاہئے تھا، مگر اس وقت میں چھوڑتا گیا ہوں لیکن جب یہ خطبہ ضبط تحریر میں آئے گا تو کاتب وہ ذکر بھی کر دے گا یا ان کو اٹھا کر وہیں لے جائے گا جہاں ان کو ہونا چاہئے۔ یعنی جب یہ سلسلہ خطبات اکٹھا شائع ہوگا تو آج جو ان آیات سے متعلق گفتگو ہوئی ہے ان کو ہم اصل مقام پر لے جائیں گے تو جو لوگ سن رہے ہیں وہ بعد میں خیال نہ کریں کہ غلطی ہوگئی ہے۔ بالا ارادہ ایسا کیا جائے گا۔

اب جہاں سے مضمون چھوڑا تھا وہاں سے پھر بات شروع کرتا ہوں سورۃ الشعراء آیات ۱۱ تا ۱۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۳﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۵﴾ (الشعراء: ۱۱-۱۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب خدا تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور ان کو حکم فرمایا کہ تو فرعون کی ظالم قوم کی طرف جا۔ اَلَا يَتَّقُوْنَ کیوں وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ کیوں وہ خدا خوفی کی راہ اختیار نہیں کرتے۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ اے خدا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلا نہ دیں اب یہ جو لفظ ہے جھٹلانے کا اس میں حضرت موسیٰ کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ انبیاء کو ہمیشہ جھٹلایا جاتا ہے بلکہ خاص دلیل آپ کے ذہن میں ہے جس کو قرآن کریم کھول کر بیان فرماتا ہے وہ کہتے ہیں وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتے ٹھیک ہے پر میں بھی تو ایک بات سے ڈرتا ہوں اور وہ خوف میرا یہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے اور کیوں جھٹلائیں گے۔ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ میرا سینہ باتیں بیان کرتے وقت کھلتا نہیں ہے۔ میں کوئی مضمون سوچ کر بیان کرنا چاہتا ہوں تو اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتا ہوں اور یہ انسانی تجربہ کی بات ہے۔ بسا اوقات ایک انسان بات ٹھیک بیان نہیں کر سکتا۔ طالب علم امتحان میں بعض باتیں جانتے ہوئے بھی پیش نہیں کر سکتے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو طالب علم ناکام رہے یا کم نمبر لے وہ ضرور ہی نالائق ہوگا۔ بعض دفعہ اس بے چارے کو بات پیش کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ تو حضرت موسیٰ نے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ

اور میری زبان بھی نہیں کھلتی۔ کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ ہکلا کر بولتے تھے فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہاروں کی طرف وحی بھیج دے اب یہ عجیب دلچسپ دعا ہے۔ عاجزی بھی ہے، سادگی بھی کیسی ہے پیاری کہ اللہ تعالیٰ کو بتا رہے ہیں کہ ان باتوں کو سوچ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہارون کو نبی بنایا جائے اور مزید اصل بات آخر پر نکلی ہے۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ مشکل یہ ہے کہ مجھ پر ایک گناہ ہے جس کے لئے اس قوم کو میں جوابدہ ہوں اور غلطی سے مجھ سے ان کا ایک آدمی مر گیا تھا اب اگر عام حالات میں نبی کو جھٹلائیں تو وہ تو ہے ہی جھٹلانا لیکن اگر جرم بھی ہو اور پتہ ہو کہ نبی نہیں ہے یہ جھوٹا ہے۔ پھر تو بڑھ چڑھ کر زیادہ غصے کے ساتھ پہلے نقصان کا بدلہ اتاریں گے اور پہلے گناہ کی جزا دیں گے۔ تو یہ تھا اصل قصہ جس کی وجہ سے اپنے آپ کو بیچ میں سے نکال ہی دیا کہ اے اللہ ان سب حالات میں بہتر یہی ہے کہ تو موسیٰ کی بجائے ہارون کو نبی بنا دے قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (الشعراء:۱۶) کہ خبردار موسیٰ ضرور جاؤ لیکن تم دونوں جاؤ۔ اب دعا قبول بھی فرمائی اور وہ جو خوف تھا وہ بھی دور کر دیا۔ كَلَّا میں ہلاکت کا ڈرانا نہیں بلکہ امید کو زیادہ یقینی طور پر پیش کرنا ہے۔ كَلَّا سے مراد یہ ہے کہ جو باتیں تو سوچ رہا ہے۔ تیرے توہمات ہیں ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ ہو کیسے سکتا ہے کہ خدا کے تم نمائندہ ہو اور خدا کی مرضی کے سوا تم پر ہاتھ ڈال بیٹھے۔ فَاذْهَبَا تم دونوں جاؤ بِاٰيٰتِنَآ ہمارے نشانات لے کر اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ میں تمہارے ساتھ سننے والا ہوں۔ اس آیت سے اور اس دعا کے جواب سے پتا چلتا ہے کہ ساتھ ہی حضرت موسیٰ کو کچھ قبولیت کی خوشخبری بھی دیدی گئی تھی۔ کیونکہ تثنیہ سے خطاب معاً جمع میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ فرمایا تم دونوں جاؤ ہمارے نشان لے کر۔ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ میں تمہارے ساتھ کھڑا تمہاری التجاؤں کو سن رہا ہوں گا۔ پس وہ جو ساحروں کی دعا تھی اس کے سننے کی خوشخبری بھی اس آیت میں پہلے کلام میں حضرت موسیٰ کو دیدی گئی تھی کہ تم ڈرتے کس بات سے ہو تم آگے بڑھو گے۔ ایک سے دو میں نے تمہیں بنایا ہے۔ تم دو بھی نہیں رہو گے۔ دو سے تین چار، ایک قوم بنتے چلے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کھڑا تمہاری التجاؤں کو سن رہا ہوگا۔ وہ کون ہو سکتا ہے جو تم پر ہاتھ ڈالے۔ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:۱۷) اور فرعون کے پاس جاؤ اور دونوں اس سے یہ کہو کہ ہم خدا کا رسول

ہیں۔خدا کا ایلچی ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ واحد کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ رَسُوْلُ نہیں فرمایا۔ بلکہ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ان دو میں کوئی فرق نہیں تھا کہ دو الگ الگ رسول ہوں۔ایک ہی مشن پر ان دونوں کو فائز فرمایا گیا تھا اور اپنی مجموعی حیثیت میں وہ ایک ہی رسول کے مقام پر فائز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ دعا ہم عام حالات میں کیسے مانگیں گے۔کسی کو خدا ایسے مقام پر فائز کرے یا ایسے حالات ہوں تو پھر دعا اس سے مانگی جائے۔لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کے اندر بعض مخفی التجا کی کیفیات ہیں جو ایک عاجز بندے کے کام آجاتی ہیں جب وہ موسیٰ کے رنگ میں ڈوب کر یا کسی اور گزشتہ نبی کی دعا کو یاد کرتے ہوئے اس کے رنگ میں ڈوب کر یہ دعائیں کرتا ہے۔اپنے عجز اور بے بسی کی کیفیت کے لئے ایسی حالت میں جب کسی سے کوئی گناہ کسی کا سرزد ہو گیا ہو، کسی سے خوف کھاتا ہو، تو حضرت موسیٰ کی یہ دعا حضرت موسیٰ کے رنگ میں ڈوب کر اگر کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انسان کی دوسری ضروریات میں بھی کام آسکتی ہے۔

حضرت لوطؑ کی ایک دعا بیان فرمائی گئی ہے سورۃ الشعراء میں (یہ جو دعا تھی یہ بھی سورۃ الشعراء آیات ۱۱ تا ۱۸ تھی) اب سورۃ الشعراء کی آیت ۱۷۰ میں حضرت لوط کی یہ دعا بیان ہوئی ہے۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ (الشعراء:۱۷۰) اے میرے رب ! مجھے اور میرے اہل کو نجات بخش ان باتوں سے جو میری قوم کرتی ہے۔ یہاں جسمانی نجات کی دعا نہیں ہے جو اس کے ذیل میں آئی تھی۔ دراصل یہ ایک ایسے گناہ سے نجات کی دعا ہے جو ساری قوم میں وبا کی طرح پھیل چکا تھا اور ساری قوم میں سرایت کر گیا تھا۔ایسے موقعہ پر دعا کے بغیر انسان صحیح معنوں میں ایسی قومی بدیوں سے بچ نہیں سکتا۔پس جب مثلاً انگلستان میں رہنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ بعض بدیاں وہاں امریکہ میں بسنے والے دیکھتے ہیں کہ بعض بدیاں پھیلی ہوئی ہیں تو ان کے لئے بھی یہ دعا کرنی چاہئے۔ورنہ یہ بدیاں اس طرح فضا میں سرایت کر چکی ہوتی ہیں کہ ہر سانس میں انسان ان کو لے رہا ہوتا ہے۔ٹیلیویژن آن کرے، ریڈیو آن کرے، بازاروں میں چلے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان بدیوں سے کلیۃً بچ کر نکل سکے۔پس یہ دعا ہمیں سکھاتی ہے کہ نجات صرف ظاہری نجات کی دعا نہیں ہوتی بلکہ بدیوں سے روحانی نجات بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور جو روحانی نجات حاصل کرتا ہے

اس کے لئے بدنی نجات خود بخود عطا ہو جاتی ہے۔ پس حضرت لوطؑ اگر صرف بدنی نجات مانگتے تو اس کے اندر روحانی نجات شامل نہیں تھی مگر جب روحانی نجات مانگی تو اس میں بدنی نجات شامل ہوگئی پس وہ لوگ جو مثلاً امریکہ میں رہتے ہیں، مجھے ایک طالب علم کی والدہ کا خط ملا۔ انہوں نے یہ لکھا کہ میرے دو بچے ہیں ان میں سے ایک نے جو فلاں یونیورسٹی میں امریکہ میں پڑھتا ہے۔ مجھے لکھا ہے کہ یہاں طالب علموں کی بھاری اکثریت نشہ کرتی ہے اور یونیورسٹی میں یہ فیشن ہے اور اس کے علاوہ دوسری بدیوں کا ذکر تھا کہ یہ بھی کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہم میں رہنے کا حق نہیں رکھتے۔ ہم سے الگ ایک مخلوق ہے اور پوری کوشش کی جاتی ہے کہ وہ لتیں ان کو بھی ڈال دیں۔ تو اس نے اپنی والدہ کو دعا کے لئے لکھا تھا کہ دعا کے ذریعے میری مدد کریں ورنہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ پس جو طالب علم امریکہ جاتے ہیں میں ان کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہاں تم کوشش تو ضرور کرو گے بچنے کی لیکن یہ دعا ضرور کرتے رہنا۔ چنانچہ والدہ نے جب مجھے دعا کے لئے لکھا تو اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ میرے جو خطرات تھے وہ درست تھے۔ یورپ میں بھی خرابیاں ہیں لیکن جتنی بدیاں اس وقت امریکن یونیورسٹیز میں اخلاقی لحاظ سے پھیلی ہوئی ہیں میرا خیال ہے دنیا کے پردے پر اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ پاکستان میں کثرت سے پھیل رہی ہیں نشہ بہت عام ہو رہا ہے تو وہاں سے جو لوگ ہجرت کرتے ہیں۔ ہجرت سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ قوم کی بداعمالیوں سے نجات کی دعا مانگا کریں اور اس کے لئے حضرت لوطؑ کی یہ دعا ہمارے لئے ایک نمونہ ہے رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ اے مرے رب! مجھے بھی اور میرے اہل کو بھی ہر اس بدی سے نجات بخش جو یہ کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ہے۔ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ (الشعراء: ۱۱۸) اے مرے اللہ! میری قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ (الشعراء: ۱۱۹) اب میرے اور ان کے درمیان فرق کر کے دکھا دے وَّنَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور مجھے اور مومنوں کو نجات بخش اب یہ بظاہر محض بدن کی نجات کا ذکر چل رہا ہے لیکن اس دعا کو آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مضمون اس کی نسبت زیادہ گہرا ہے جو دکھائی دیتا ہے آپ نے پہلے یہ دعا کی ہے کہ قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے۔ اب ہمارے درمیان تمیز کر دے کہ کون پاک ہے کون ناپاک ہے

اور تمیز اس طرح کہ پاکوں کو بچالے اور ناپاکوں کو ہلاک کر دے۔ پس یہاں بدنی نجات کی دعا نہیں تھی۔ روحانی نجات کی دعا تھی بدنی نجات کو اس کا نشان بنا کر مانگا گیا تھا۔ اب دعا غور سے سنیں۔ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ حضرت نوحؑ نے عرض کیا اے مرے رب! میری قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے۔ یعنی اب اس سے کوئی امید باقی نہیں رہی۔ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ اب میرے اور ان کے درمیان فَتْحًا نمایاں فرق کر کے دکھا دے کہ دنیا دیکھ لے کہ کون پاک تھا اور کون مجھے پیارا تھا اور کون ناپاک اور کون تیری نظر میں مغضوب تھا اور نشان کیا ہو اس فتح کا وہ یہ ہے کہ وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مجھے اور وہ لوگ جو مجھ پر ایمان لائے ہیں ان سب کو اس ہلاکت سے بچالے جو اس قوم کا مقدر ہو چکی ہے۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (الشعراء:۱۲۰) اور ہم نے اسے اور جو کچھ اس کے ساتھ تھا۔ ایک بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔ اس سے پہلے ایک بھری ہوئی کشتی کا ذکر گزر چکا ہے جس میں سوائے خدا کے ایک نبی کے ساری قوم کے لئے جگہ تھی وہ اس بھری کشتی میں نہ صرف یہ کہ خود نجات نہیں پا سکا بلکہ وہ باقی قوم کے لئے بھی خطرہ بن گیا کہ اگر یہ ہوا تو کشتی ڈوبے گی اگر یہ نکلے گا تو کشتی بچے گی۔ تو وقتی طور پر جب خدا کی رحمت کا سایہ آزمائش کے لئے بھی اٹھتا ہے تو کتنا ہولناک منظر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں اب بالکل برعکس منظر ہے۔ فرمایا، جا شوق سے جتنے مومن ہیں وہ بھی کشتی میں بھر لے اور ہر قسم کے ضرورت کے جانوروں کے نمونے بھی بھر لے۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ بھری ہوئی کشتی میں تمہیں ان طوفان خیز موجوں سے نجات بخشیں گے اور فرمایا کہ ہم نے ایسا ہی کیا ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ (الشعراء:۱۲۱) پس اس کے بعد ہم نے باقی سب کو غرق فرما دیا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (الشعراء:۱۲۲) اس میں ایک بہت بڑا نشان ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ہے جس کے ساتھ ایک گہرا مضمون وابستہ ہے لیکن وہ بعد میں بیان کروں گا۔ اب وقت نہیں ہے۔ پہلی دعا جو ہے اس کا مختصر ذکر میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ (بعد میں جو ایک ایسی دعا ہے جس کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت کا ایک نشان وابستہ ہے اس کا ذکر بعد میں تفصیل کے ساتھ کروں گا۔ اس دعا کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے لیکن دو تین دعائیں اکٹھی ہیں جن کا انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں ذکر کیا جائے گا) رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ (النمل:۲۰) انہوں نے یہ دعا کی کہ اے خدا مجھے توفیق عطا فرما اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر فرمائی وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا اور میں نیک اعمال بجالاؤں تَرْضٰىهُ جن سے تو راضی ہو۔ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے صالح بندوں کے گروہ میں داخل فرمالے۔

حضرت سلیمانؑ کی یہ دعا اس موقع پر بیان ہوئی ہے جب وہ اپنے لشکر سمیت وادی نملہ میں داخل ہوئے اور عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک چیونٹی تھی جس نے حضرت سلیمانؑ کو دیکھ کر اپنی باقی چیونٹی بہنوں کو متنبہ کیا کہ یہ ایک بہت بڑا جابر بادشاہ آ گیا ہے اور بہت بڑی فوج لے کر آیا ہے۔ اگر اس سے بچنا ہے تو بھاگ کر اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ورنہ اس لشکر کے پاؤں تلے تم روندی جاؤ گی۔ یہ بات حضرت سلیمانؑ نے سمجھ لی جن کو علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ ظاہری طور پر مَنْطِقَ الطَّيْرِ عطا ہوئی تھی یعنی پرندوں کی بولی ظاہر میں بھی عطا ہوئی تھی اور دنیا کے ہر قسم کے پرندوں کی زبان وہ سمجھتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ یہ تو چیونٹی تھی مَنْطِقَ الطَّيْرِ میں چیونٹی بے چاری کہاں سے داخل ہوگئی۔ اس لئے النَّمْلِ سے مراد چیونٹی لینا یہ درست نہیں ہے۔ نَمْلَةٌ سے اصل میں جو ایک قوم کا نام تھا اور حضرت سلیمانؑ جب لشکر کشی کر رہے تھے تو ایک ایسی قوم پر سے گزرے جس قوم کے ایک فرد نے اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپ جاؤ اور غائب ہو جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے وہ پہاڑی علاقہ تھا یا ایسی جگہیں تھیں جہاں غاروں میں چھپا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ قوم ایک لشکر کے سامنے آتی اور اس کے نتیجہ میں اس کو خطرات درپیش ہوتے تو مشورہ دینے والے نے یہ مشورہ دیا۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی کہ اس طرح یہ تجھ سے خوف کھا رہے ہیں اس پر انہوں نے عرض کی۔ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ کہ اے خدا میں دنیا کے بادشاہوں جیسا تو بادشاہ نہیں ہوں تو نے مجھ پر ایک عظیم الشان نعمت کی اور میرے والدین پر بھی ویسی ہی نعمت فرمائی۔ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں نیک اعمال کروں ایسے نیک اعمال جن سے تو راضی ہو۔ اگر عام بادشاہوں کی طرح میں نے اپنی فتوحات کے نتیجے میں یا لشکر کشی کے دوران کمزوروں کو کچلا

اور مسلا اور بے بسوں پر ظلم کیا تو پھر میں اس نعمت کی خلاف ورزی کر رہا ہوں گا یہ معنی ہیں اس کے۔ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اور اپنی رحمت کے صدقے، اپنی رحمت کی عطا کے طور پر مجھے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔

یہ دعا اس وقت کے کام کی دعا ہے جب انسان کو خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کے کسی ایک حصے پر کسی قسم کی فضیلت بخشے کسی قسم کا ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی طاقت بخشے اور اس کے نیچے کئی قسم کے خدمتگار ہوں کئی لوگوں کے معاملات اس کے قبضہ قدرت میں ہوں ایسے وقت میں بھی انسان کو محض اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ جس طرح حضرت سلیمانؑ جو بہت ہی صاحب عقل تھے اور سب سے بہتر مقام پر فائز تھے کہ فیصلہ کرتے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے۔ کس کو سزا دینی ہے، کس کو نہیں دینی ہے لیکن اعلیٰ عقل کا سب سے بڑا تقاضا یہ تھا کہ وہ عاجزی کے ساتھ خدا سے دعا کرتے کہ اگر تو نے مجھے توفیق دی تو میں اس طاقت کا صحیح استعمال کر سکوں گا۔ اگر تو نے توفیق نہ دی تو میں اپنی عقل کے باوجود اس طاقت کا صحیح استعمال نہیں کر سکوں گا۔ خطرہ ہے کہ ایسے اعمال سرزد ہوں جن سے تو ناراض ہو اس لئے میری التجاء یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی مجھے حکومت کیسا ہی غلبہ کیوں نہ عطا کر مجھے توفیق عطا فرما کہ ہر حالت میں میرے اعمال تیری رضا کے مطابق ہوں اور طاقت کے نشے میں میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں۔ پس ہر موقع ہر محل کے مطابق ان لوگوں کی دعائیں قرآن کریم میں محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمائے اور جن کی راہوں پر چلنے کی ہم سورۃ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان راہوں پر خدا کی رضا کے مطابق ہمیشہ قدم مارتے رہیں

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا۔

اس جمعہ کے بعد آئندہ جمعہ سے پہلے میں انشاء اللہ ایک لمبے سفر پر روانہ ہونے والا ہوں اور غالباً ڈیڑھ مہینہ یا اس کے لگ بھگ سفر پر رہوں گا۔ تو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کو پورا کرنے والا سفر ہو جن کی خاطر یہ سفر کیا جا رہا ہے۔ واپس آ کر جلسہ بھی ہے اور میری واپسی اور جلسہ کے درمیان وقت بہت تھوڑا ہوگا تو اللہ تعالیٰ یہ بھی توفیق عطا فرمائے کہ جلسے کی ساری ذمہ داریاں بھی باحسن سرانجام دے سکوں۔ (آمین)